صلح حدیبیہ کی عصری معنویت: تاریخی و تجزیاتی مطالعہ

Contemporary Significance of Sulah Hudaybiyah: A Historical and Analytical Study

Muhammad Sajid[1]

Abstract:

This research article explores the contemporary significance of the Sulah Hudaybiyah, a critical event in Islamic history, through a historical and analytical lens. Taking place in 6 AH (628 CE), the peace treaty between Prophet Muhammad (PBUH) and the Quraysh tribe at Hudaybiyah marked a transformative moment in early Islam. The study aims to unravel the socio-political context leading to the treaty, examining the negotiations and the aftermath to discern enduring lessons for the present day.

The historical context section delves into the escalating tensions preceding Hudaybiyah, outlining the circumstances that necessitated a negotiated settlement. The article thoroughly investigates the intricacies of the treaty negotiations, emphasizing the diplomatic skills and strategic acumen of the Prophet Muhammad (PBUH) in securing a peaceful treaty. Analyzing the terms of the Sulah Hudaybiyah forms a core component of this study, shedding light on the key provisions and addressing controversies associated with certain clauses. By drawing parallels between the events of Hudaybiyah and contemporary geopolitical scenarios, this research contributes to a nuanced understanding of the enduring relevance and lessons that emanate from this pivotal moment in Islamic history.

Keywords: *Historical treaty, Sulah Hudaybiyah, contemporary significance, negotiated settlement*

کائنات کے ہر ذرے میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں بکھری پڑی ہیں جن کا مقصد یہ ہے کہ ان پر غور و فکر کیا جائے اور ان کی روشنی میں اپنا عمل مرتب کیا جائے۔ قرآن حکیم بار بار انسانوں کو ان نشانیوں پر غور کرنے اور کھلی آنکھوں اور کھلے دماغ سے ان سے روشنی حاصل کرنے کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ مملکتِ خداداد پاکستان کا قیام بھی اللہ کی ایک نشانی ہے۔ صرف سات برس کی بھرپور اور پُرامن جدوجہد کے نتیجے میں دنیا کے سیاسی نقشے پر نظریے کی بنیاد پر ایک ریاست کا قیام ایک تاریخی کرشمے سے کم نہ تھا۔ قیامِ پاکستان اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے فتح مکہ کے بعد تاریخ اسلام کا دوسرا اہم سنگ میل ہے۔ فتح مکہ ریاست مدینہ کا فیصلہ کن اور تاریخ ساز اقدام تھا جس کے بعد انسانیت نے جہالت سے روشنی کی طرف اپنے سفر کی تاسیس نو کی۔ میثاقِ مدینہ صرف ریاستِ مدینہ کی

---

[1]. PhD Scholar, Department of Fiqh and Shari'ah, The Islamia University of Bahawalpur

تاسیس کے لئے ہی اہمیت کا حامل نہیں تھا بلکہ اس میں آنے والے تمام مسلمان حکمرانوں کے لئے بھی رہنما اصول مہیا کئے گئے ہیں۔ مملکت کے دستور میں تو ریاستِ مدینہ کے دستور کی جھلک موجود ہے لیکن جس طرح دستورِ مدینہ نے اللہ تعالیٰ کی حاکمیت عملاً قائم کر کے سیاسی و سماجی نظام کو اس کے تابع کیا، مملکت پاکستان کا دستور ایسا کرنے میں ناکام ہے۔

قیام پاکستان کا مقصد ایک ایسی مملکت کا حصول تھا جس میں اسلام کی آفاقی تعلیمات کو عصری تناظر میں نافذ کیا جا سکے۔ عالم اسلام میں صرف مملکت خداداد پاکستان ہی ایک ایسی ریاست ہے جو خالصتاً اسلام کے نام پر حاصل کی گئی ہے۔ پاکستان کا مطلب کیا لا الٰہ الا اللہ کا جو نعرہ قیام پاکستان کے وقت لگایا گیا تھا وہ آج بھی زبان زد عام ہے۔ قرآن و سنت کی روشنی میں قانون سازی کا عمل قیام پاکستان کے روز اول سے ہی کسی نہ کسی صورت میں جاری ہے۔ پاکستان میں معاشرتی اصلاح مخلص اور ایماندار قیادت کے بغیر ممکن نہیں ہے، مروّجہ ناقص جمہوری نظام کی بدولت صالح قیادت کا قانون ساز اداروں میں پہنچنا تقریباً ناممکن ہے۔ اس مقصد کے لئے نہ صرف نظام تعلیم کو بہتر بنانے کی ضرورت ہے بلکہ انتخابات کے طریقہ کو شفاف بنانے اور اس سے متعلقہ دستورِ پاکستان کی دفعات اور اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات پر سختی سے عمل درآمد کرنے کی ضرورت ہے۔

پاکستان میں جمہوریت کی بجائے جمہوری رویہ اپنانے کی ضرورت ہے۔ جمہوری کلچر میں بروقت انتخابات ہوتے ہیں، نمائندہ حکومت وجود میں آتی ہے، سب کچھ پارلیمنٹ کی مشاورت سے ہوتا ہے اور قانون سازی کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھایا جاتا۔ مملکت کا ہر ادارہ سیاسی اثر سے آزاد اور احتساب کا مؤثر نظام قائم ہوتا ہے۔ اجتماعی سطح پر جمہوری کلچر کا تقاضا ہے کہ قومی معاملات مشاورت سے طے کئے جائیں۔ عوام کی زبان بند کر کے اور ان کو بے خبر رکھ کر اجتماعی معاملات چلانا خیانت اور بددیانتی ہے۔ انفرادی سطح پر اس کا تقاضا یہ ہے کہ عوام اپنے علم اور ایمان و ضمیر کے مطابق حق رائے دہی کا دستوری حق استعمال کریں۔ اگر وہ کسی لالچ، خوف یا محض سیاسی گروہ بندی کی بنیاد پر اپنے ضمیر کے خلاف رائے دیں تو یہ درحقیقت خیانت ہے۔

اسلامی ریاست میں حکومتی اہداف و مقاصد

اسلام ایک کامل دین اور مکمل دستور حیات ہے۔ اسلام جہاں انفرادی زندگی میں فرد کی اصلاح پر زور دیا ہے وہیں اجتماعی زندگی کے زریں اصول وضع کرتا ہے جو زندگی کے تمام شعبوں میں انسانیت کی رہنمائی کرتا ہے۔ اسلامی نظام میں ریاست اور دین مذہب اور سلطنت، دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہیں، دونوں ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں، دونوں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسانی کی قیادت و رہبری کا فرض نبی ﷺ کے سپرد کیا ہے۔ قیادت کی رہنمائی کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن و سنت کی صورت میں تفصیلی ہدایات بھی دی ہیں اور اہداف کا بھی تعین کر دیا ہے تاکہ قیادت اپنے تمام تر وسائل اور مساعی حقیقی نصب العین تک رسائی کے لیے صرف کرے۔ قومی قیادت کے اہداف کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

ا۔ قومی قیادت کے دینی اہداف:

اسلامی ریاست اسلامی فلسفۂ حیات کی بنیاد پر معرضِ وجود میں آتی ہے۔ لہٰذا اِس کا اصل مطمعِ نظر دینی اہداف کا حصول ہے۔ مجموعی طور پر قرآن وسنت میں اسلامی ریاست کے دو مقاصد کی نشاندہی کی گئی ہے۔

- **اقامتِ دین**
- **امر بالمعروف ونہی عن المنکر**

اقامت دین کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں، پہلی یہ کہ دین کی حفاظت ونصرت کی جائے۔ دعوت وارشاد کے ذریعے دین کی نشرواشاعت کی جائے۔ حفاظتِ دین کی دوسری صورت معاندین و مستشرقین کے اسلام کے خلاف پھیلائے گئے پروپیگنڈے کا دفاع اوراعتراضات کا ازالہ ہے۔ قومی قیادت کے لئے یہ کام سرانجام دینا بوجوہ زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ نصوص سے واضح ہوتاہے کہ اطاعتِ امیر کے لیے ایک طرف امیر کا کتاب وسنت کے تابع رہنا لازم ہے تو دوسری جانب نیکیوں کی دعوت اور معاصی سے روکنا بذاتِ خود اہم مقصد ہے۔ قومی قیادت کا اس مقصد کو سمجھنا اور اس کے حصول کی کوشش کرنا لازم ہے۔ حقیقی قیادت دوسروں پر اثر انداز ہو کر قوم کی تمام کاوشوں کو بامقصد اہداف کی طرف گامزن کرتی ہے۔ جب یہ واضح ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فرض ادا کرنا شارع کی طرف سے لازم ہے تو قومی قیادت کا فرض بنتاہے کہ وہ خود بھی اس کے لئے اقدامات کرے اور قوم کو بھی اس طرف متوجہ کرے۔

دنیاوی اہداف سے ہر گز یہ مراد نہیں کہ یہ دین سے لاتعلق اور آخرت میں بے سود ہیں۔ ان کو دنیاوی مقاصد کے نام سے اس لیے تعبیر کیا گیاہے کہ ان کا ظاہری تعلق عوام الناس کی دنیاوی ضروریات سے ہے۔ ان کا پورا ہونا دنیاوی زندگی کے لیے سہولت اور پورا نہ ہونا مشکلات کا باعث ہے۔ نیز ان مقاصد کے اصول توقرآن وسنت میں واضح ہیں البتہ عملی تطبیقات اربابِ حل وعقد کو سونپ دی گئی ہے کہ اپنے اپنے زمان ومکان کے لحاظ سے طے کریں۔ اس بناپر انہیں دنیاوی مقاصد سے موسوم کیا گیاہے۔ چنانچہ اگر خلوصِ نیت اور جملہ اسلامی تعلیمات ان کے حصول میں پیشِ نظر رہے تو نہ صرف دنیاوی زندگی پر سکون ومطمئن ہو گی بلکہ اخروی اجر بھی یقینی ہے۔

مذکورہ بالا تناظر میں جائزہ لیاجائے تو معلوم ہوتاہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اسلامی تحریک کی تاریخ میں معاہدہ صلح حدیبیہ ایک ایسا واقعہ ہے جس کے نتیجے میں حالات کے دھارے نے ایک اہم ترین موڑ موڑا۔ حضور ﷺ کی سیرت مبارکہ سے صحیح استفادہ کرنے کے لیے اس اہم سوال کا جواب ضرور سامنے ہونا چاہیے کہ حضور ﷺ کے پیش نظر تبدیلی کا دائرہ اور کام کا پیمانہ کیا تھا؟ تمدنی نظام میں حضور ﷺ کوئی جزوی اصلاح چاہتے تھے یا ہمہ گیر دعوت مذہبی واخلاقی یا وہ سیاسی اہمیت بھی رکھتی تھی؟ بالفاظ دیگر

تمدنی دائرہ میں نصب العین کیا تھا؟ اس سوال کا جواب خود قرآن کریم میں بڑی وضاحت سے موجود ہے اور مختلف پیراؤں میں تکرار اسے اسلامی دعوت کا مدعا واضح کیا گیا ہے۔ ایک مقام پر جملہ انبیاء و رسل کی بعثت کا مقصود یوں بیان کیا ہے۔

"لَقَدأَرسَلنارُسُلَنا بِالبَيِّناتِوَأَنزَلنامَعَهُمُ الكِتابَ وَالميزانَ لِيَقومَ النّاسُ بِالقِسطِ ۖوَأَنزَلنَا الحَديدَ فيهِ بَأسٌ شَديدٌ وَ مَنافِعُ لِلنّاسِ۔"[2]

"ہم نے اپنے رسولوں کو روشن دلائل دے کر جس مقصد کیلئے بھیجا ہے اور جس غرض کیلئے بھیجا ہے اور جس غرض کیلئے ان پر کتابیں نازل کی ہیں اور ان کو ضابطہ حق کی میزان عطا کی ہے وہ یہ ہے کہ لوگ انصاف پر قائم ہو جائیں۔ اور لوہا اتارا جس سے ہتھیار بنتے ہیں اور اس میں لوگوں کیلئے اور بھی فوائد ہیں"

بات نہایت ہی صاف ہے کہ دعوت حق کا منشا انسانی زندگی کو نظام قسط کے سانچے میں ڈھالنا اور تمدن میں عملاً عدل و توازن پیدا کرنا ہے۔ اس آیت میں متصلاً آہنی اسلحہ کو بھی اس مقصد کیلئے استعمال کرنے کا اشارہ موجود ہے۔ یعنی نظام حق کی اقامت، اس کے تحفظ اور اس کے فروغ کیلئے سیاسی اور فوجی قوت بھی ناگزیر ہے۔[3] خود محمد ﷺ کی بعثت کی غایت اور زیادہ صراحت سے بیان کی گئی اور وہ بھی ایک سے زیادہ بار بیان کی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

"هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ۔"[4]

"وہی (اللہ) ہے جس نے اپنے رسول کو ضابطہ ہدایت اور دین حق دے کر اس غرض سے بھیجا ہے کہ وہ ہر دین کے مقابلے میں اسے (پوری انسانی زندگی پر) غالب کردے۔ اگرچہ یہ مشرکوں کو کتنا ہی ناگوار کیوں نہ ہو!"

مدعا یہ کہ قریش اور عرب کے دوسرے مشرکین تو اپنے جاہلی نظام حیات کو برقرار رکھنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگائیں گے۔ اور جاہلیت کے خلاف جو آواز اٹھے گی وہ انہیں سخت ناگوار ہو گی۔ مگر ان کی ناگواریوں کی پرواہ کیے بغیر ان کے محاذ مخالفت کو توڑ کر حضور ﷺ کو اقامت دین کرنا ہے اور خدا کے ضابطہ ہدایت کو عملاً جاری کرنا ہے۔ یہ مدعا اگر دعوت حق میں مضمر نہ ہوتا تو کشمکش اور جہاد اور ہجرت کے ابواب کہاں سے آتے؟ جان و مال کی قربانیاں کاہے کیلئے مانگی جاتیں۔ کس غایت کیلئے "حزب اللہ" کی پارٹی تشکیل پاتی کس نصب العین کیلئے شہداء چنے جاتے؟ قرآن اور سیرت دونوں کا فہم دعوت حق کے منتہا کو ذہن نشین کیے بغیر ممکن نہیں رہتا۔

---

2. الحدید 25:57

3. ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، ابوالفداء، تفسیر القرآن العظیم، دار الکتب العلمیہ، بیروت، سن اشاعت 1419ھ، ج2، ص556۔

4. الصف 9:61

صلح حدیبیہ کا پس منظر

صلح حدیبیہ اشاعت اسلام کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ اس کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ غداری وبغاوت کے جرم میں جلاوطن شدہ یہود نے جب خیبر تیما اور وادی القریٰ میں جا اڈا جمایا تو مدینہ بیک دم دو محاذوں کے درمیان گھر گیا۔ قریش اور یہود کے اتحاد نے لشکر کے لشکر جمع کر کے مدینہ کے سامنے لاکھڑے کیے تھے۔ جنگ احزاب سے بخریت عہدہ برآمد ہوتے ہوئے حضور ﷺ کے سامنے یہ پیچیدہ مسئلہ آگیا کہ کیسے اس دوہرے محاذ کو توڑا جائے۔ موجودہ حالت میں مکہ کی طرف اقدام کریں تو خیبر کے یہودی اور بنو غطفان مدینہ پر چڑھائی کر سکتے تھے اور اگر خیبر کی طرف متوجہ ہوں تو قریش دھاوا بول سکتے تھے۔[5]

جب کہ مسلمانوں کو ضرورت تھی کہ خیبر اور مکہ دونوں کی قوت کا استیصال کیا جائے۔ مگر مسلمانوں کے پاس اتنی قوت نہ تھی کہ وقتِ واحد میں ان دونوں مرکزوں پر حملہ کیا جاسکے۔ یہ بھی نبی اکرم ﷺ کی نگاہ دوررس کا کتنا صحیح اندازہ تھا۔ کہ ان دونوں میں سے خیبر کا محاذ ایسا محاذ تھا جسے ایک ہلہ میں توڑا جاسکتا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ دونوں میں سے قریش مکہ ہی کو باآسانی صلح پر آمادہ کیا جاسکتا تھا۔ درحقیقت قریش کی قوت اندر سے کھوکھلی ہو چکی تھی اگرچہ وہ ظاہراً برابر شورا شوری دکھا رہے تھے۔

ان حالات میں سیاستدانی کا اقتضا یہی ہو سکتا ہے کہ دونوں میں سے کسی ایک دشمن سے صُلح کر کے دوسرے مقابلے میں اس کو دوست ورنہ کم از کم ناطر فدار بنا دیا جائے اور جب ایک سے فراغت ہو جائے گی تو دوسرا خود ہتھیار ڈال دے گا اور پھر اسے سر زوری کی جرات نہ ہو گی۔ سوال یہ تھا کہ صلح مکے والوں سے کی جائے یا خیبر والوں سے؟ خیبر کے حلیف و معاون یعنی فنرارہ غطفان محض لوٹ مار کے شائق اور بالکل بے اصول خانہ بدوش عرب تھے۔ خیبر میں یہود تھے، جو تمدنی اور نسلی وجوہ سے عربوں سے الگ تھے۔ ان کو اپنی جلاوطنی اور جائیداد کے لٹنے کا داغ تھا جو جائیداد کی واپسی کے بغیر مٹ نہ سکتا تھا۔ سرمایہ داری کی وجہ سے کوئی معمولی "مابہ الاحتظاظ "ان کو مطمئن نہ کر سکتا تھا اور نہ ہی ان کی بات پر کوئی اعتماد کیا جاسکتا تھا۔ شاید یہ کہا جاسکتا ہے کی خیبر کا مالدار مرکز ایک نسبتہً غیر جنگجو قوم کے قبضے میں ہونے سے آسان تر مال غنیمت بھی تھا۔[6]

دوسری طرف مکہ مسلمانوں کیلئے بہت سی رعایتوں کا متقاضی تھا۔ مسلمان مہاجرین سب مکی ہی تھے اور اہل مکہ ان کے رشتہ دار، کعبہ مسلمانوں کی نماز کا قبلہ اور حج کی منزل مقصود تھا۔ اہل مکہ کی تباہی سے زیادہ ان کا اسلام زیادہ مفید ہو سکتا تھا۔ کیونکہ قریش کے معاشی اور تمدنی تعلقات تمام عرب سے تھے اور ان کی صلاحتیں پورے عرب میں سب سے زیادہ تھیں، کیونکہ ان میں بات کا پاس تھا۔ وہ دھن کے پکے تھے قومی مفاد کیلئے تن من دھن سے لگ جاتے تھے۔ طبیعت مہمات پسند تھی، ادبی ذوق

5۔ امام سرخسی، محمد بن احمد، المبسوط، دار المعرفۃ، بیروت، سن اشاعت 1989ء، ج10، ص86۔

6۔ ڈاکٹر حمید اللہ، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، دار الاشاعت اردو بازار کراچی، س۔ن، ص106۔

اور انتظام ملک کی قابلیت و ملکہ بھی عام بدویوں کے مقابلے میں ان میں کہیں بڑھا ہوا تھا۔ اور شاید یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کے معاشی دباؤ کے باعث اب وہ واقعی صلح پر آمادہ ہو چکے تھے اور صرف لاج رکھنے کیلئے کسی اچھی شرط کے منتظر تھے۔ اتفاق سے اس زمانے میں حجاز میں سخت قحط پڑا تھا اور مکے والوں کی رسد کے مرکز یمامہ پر بھی مسلمانوں کا (ثمامہ بن اثال کے اسلام لانے کے باعث) قبضہ ہو کر درآمد بند ہو گئی تھی۔[7]

رسول کریم ﷺ اس بندش کا اثر محسوس کرا دینے کے بعد اپنی مرضی اور اختیار سے ممانعت اٹھا کر[8] نیز مکے والوں میں سے غرباء و فقراء کی امداد کیلئے سرمایہ قحط میں اس زمانے پر پانچ سو اشرفیاں روانہ کر کے[9] وہاں کے عوام کے دل موہ لئے تھے اور مکے کے سب سے بڑے اور بااثر سردار ابوسفیان کی لڑکی بی بی ام حبیبہ سے جو حبشہ گئی ہوئی تھی، اس زمانے میں عقد غائبانہ کر لیا تھا۔ یہ شادی بڑا اہم سیاسی نتیجہ رکھتی تھی۔ نیز مختلف سامان ضرورت (کھجور وغیرہ) ابوسفیان کو "ہدیہ" بھیج کر معاوضے میں جانوروں کی کھالیں طلب کی تھیں۔[10] غرض باوجود حالت جنگ کے قائم رہنے کے یہ خاموش دلدہی کے کام جاری تھے۔ قریش کے حج کا زمانہ بھی آ گیا تھا جس میں وہ مسلسل تین ماہ تک لڑائی بھڑائی حرام سمجھتے تھے اور اس میں ان کا سخت ترین دشمن بلکہ قابل قصاص ملزم بھی ان کے شہر میں اگر انہیں ملتا تو اس پر ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔ مسلمانوں نے بھی قریش ہی کے کعبے کو اپنا قبلہ بنا لیا تھا اور حج کعبہ کو اپنے دین کا جزو بنا لیا تھا۔ جس کا نفسانی اثر قریش پر پڑے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔

مذکورہ حالات میں معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے یہ سوچا کہ اگر حج کے مہینوں میں مکہ جائیں اور ارادہ طواف کعبہ اور قربانی و عمرہ کیلئے ہوں اور قریش کو منہ مانگی شرطیں پیش کی جائیں تو رسول ﷺ کی سیاسی زندگی کچھ تعجب نہیں جو وہ صلح پر آمادہ ہو جائیں۔ اس کے علاوہ آپ ﷺ نے غزوہ خندق کے بعد ایک پیش گوئی فرمائی تھی جس کو حضرت سلیمان بن صرد نے بیان کیا کہ جب عرب کے قبائل قریش و غطفان خندق کے موقع پر مدینہ پر چڑھ کر آئے تھے ناکام و نامراد واپس ہو گئے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

"الْآنَ نَغْزُوهُمْ وَلَا يَغْزُونَنَا نَحْنُ نَسِيرُ إِلَيْهِمْ"[11]

"اب ہم ان سے جنگ کریں گے، وہ ہم پر چڑھ کر نہ آسکیں گے، ہم ہی ان پر فوج کشی کیا کریں گے"

7۔ ابن ہشام، عبدالمالک، ابو محمد، سیرۃ النبویہ لابن ہشام، دار الکتاب العربی، سن اشاعت 1990ء، ص، 797تا798۔

8۔ ایضاً۔

9۔ امام سرخسی، المبسوط، ج10، ص91تا92۔

10۔ ایضاً۔

11۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب المغازی، باب غزوۃ الخندق وھی الاحزاب، مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور، حدیث نمبر 4110۔

ظاہر ہے کہ یہ ارشاد نبوی حالات و واقعات کے گہرے تجزیے کے بعد تھا، اللہ تعالیٰ کے اشارے سے تھا اور اسے اللہ تعالیٰ نے سچ کر دکھانا تھا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو ایک خواب دکھایا کہ آپ ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ مکہ معظمہ تشریف لے گئے ہیں اور وہاں عمرہ ادا فرمایا۔ سورۃ الفتح کے نزول کے وقت اللہ تعالیٰ نے اس خواب کی تصدیق فرمائی ہے۔

"لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ لَا تَخَافُونَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا فَجَعَلَ مِنْ دُونِ ذَٰلِكَ فَتْحًا قَرِيبًا۔"[12]

"اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو سچا خواب دکھایا تھا جو ٹھیک ٹھیک حق کے مطابق تھا۔ ان شاء اللہ تم ضرور مسجد حرام میں پورے امن کے ساتھ داخل ہو گے۔ اپنے سر منڈواؤ گے اور بال ترشواؤ گے اور تمہیں کوئی خوف نہ ہو گا۔ وہ اس بات کو جانتا تھا جسے تم نہ جانتے تھے۔ اس لیے وہ خواب پورا ہونے سے پہلے اس نے یہ قریبی فتح تم کو عطا فرمادی۔"

مسلمانوں اور قریش کے درمیان سفارت کاری اور بیعت رضوان

حدیبیہ میں آتے ہی سفارتی سرگرمی شروع ہو گی۔ قریش کے نمائندے اور کارندے آکر مقصد معلوم کرنے لگے۔ آخر رسول کریم ﷺ نے اپنے داماد حضرت عثمان کو مکہ بھیجا کہ مختار کل کی حیثیت سے گفت و شنید کریں۔ مکے میں عجیب بد نظمی تھی اور کوئی مرکزیت نہیں پائی جاتی تھی۔ اور حضرت عثمانؓ کی واپسی میں دیر ہوئی تو مسلمانوں کو خوف ہوا کہ کہیں انہیں شہید نہ کر دیا گیا ہو۔ اب مسلمانوں کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور حدیبیہ میں انہوں نے مرنے مارنے کا اقرار کیا جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے:

"إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ۔"[13]

"جب وہ درخت کے تلے آپ ﷺ کی بیعت کر رہے تھے"۔

قریش کو خبر ملی تو وہ گھبرائے آخر صلاح کر کے انہوں نے سہیل بن عمرو کو مختار کل کر کے سفیر بنا کر حدیبیہ بھیجا اور تھوڑی سی ردو قدح کے بعد صلح نامہ طے کیا۔

صلح نامے کی کتابت اور شرائطِ معاہدہ صلح حدیبیہ

آنحضرت ﷺ اور قریش مکہ کے درمیان مذاکرات جاری تھے کہ قریش نے صورتحال کی نزاکت محسوس کر لی اور انہوں نے سہیل بن عمرو کو صلح کے معاملات طے کرنے کیلئے روانہ کیا اور یہ تاکید کی کہ صلح میں لازماً یہ بات طے کر لی جائے کہ آپ ﷺ اس سال واپس چلے جائیں۔ سہیل بن عمرو آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوا تو نبی کریم ﷺ نے سہیل کو آتا دیکھ کر صحابہ کرام سے فرمایا "تمہارا کام سہل کر دیا گیا"۔ اس شخص کو بھیجنے کا مطلب یہ ہے کہ قریش صلح چاہتے ہیں۔

---

[12]- الفتح 27:48

[13]- الفتح 18:48

قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: لَقَدْ سَهُلَ لَكُمْ مِنْ أَمْرِكُمْ. قَالَ مَعْمَرٌ: قَالَ الزُّهْرِيُّ فِي حَدِيثِهِ: فَجَاءَ سُهَيْلُ بْنُ عَمْرٍو، فَقَالَ: هَاتِ اكْتُبْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ كِتَابًا، فَدَعَا النَّبِيُّ ﷺ الْكَاتِبَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ، قَالَ سُهَيْلٌ: أَمَّا الرَّحْمَنُ، فَوَاللَّهِ مَا أَدْرِي مَا هُوَ، وَلَكِنِ اكْتُبْ بِاسْمِكَ اللَّهُمَّ كَمَا كُنْتَ تَكْتُبُ، فَقَالَ الْمُسْلِمُونَ: وَاللَّهِ لَا نَكْتُبُهَا إِلَّا بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ، فَقَالَالنَّبِيُّ ﷺ: اكْتُبْ بِاسْمِكَ اللَّهُمَّ، ثُمَّ قَالَ: هَذَا مَا قَاضَى عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ، فَقَالَ سُهَيْلٌ: وَاللَّهِ لَوْ كُنَّا نَعْلَمُ أَنَّكَ رَسُولُ اللَّهِ مَا صَدَدْنَاكَ عَنِ الْبَيْتِ وَلَا قَاتَلْنَاكَ، وَلَكِنِ اكْتُبْ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: وَاللَّهِ إِنِّي لَرَسُولُ اللَّهِ، وَإِنْ كَذَّبْتُمُونِي اكْتُبْ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ۔[14]

"نبی کریم ﷺ نے فرمایا تمہارا معاملہ آسان ہو گیا۔ معمر نے بیان کیا کہ زُہری نے اپنی حدیث میں اس طرح بیان کیا تھا کہ جب سہیل بن عمرو آیا تو کہنے لگا ہمارے اور اپنے درمیان صلح کی ایک تحریر لکھ لو۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے کاتب کو بلوایا اور فرمایا کہ لکھو "بِسْمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحْمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ" سہیل کہنے لگا۔ رحمن کو اللہ کی قسم میں نہیں جا نتا کہ وہ کیا چیز ہے البتہ تم یوں لکھ سکتے ہو۔ "باسمکااللھم" جیسے پہلے لکھا کرتے تھے۔ مسلمانوں نے کہا کہ قسم اللہ کی ہے ہمیں "بِسْمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحْمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ" کے سوا کوئی دوسرا جملہ نہیں لکھنا چاہیے۔ لیکن آپ ﷺ نے فرما یا "باسمکااللھم" ہی لکھنے دو پھر آپ ﷺ نے لکھوایا یہ " محمد رسول اللہ ﷺ "کی طرف سے صلح نامہ کی دستاویز ہے۔ سہیل نے کہا اگر ہمیں یہ معلوم ہوتا کہ آپ رسول اللہ ﷺ ہیں تو ہم آپ ﷺ کو نہ کعبہ سے روکتے اور نہ آپ ﷺ سے جنگ کرتے آپ تو صرف اتنا لکھیے کہ " محمد بن عبداللہ "اس پر رسول اللہ ﷺ نے فر مایا اللہ گواہ ہے کہ میں اس کا سچا رسول ہوں خواہ تم میری تکذیب ہی کرتے رہو۔ لکھو جی "محمد بن عبداللہ "

سہیل نے آپ ﷺ کے پاس پہنچ کر دیر تک گفتگو کی اور بالا آخر طرفین میں صلح کی دفعات طے ہو گئیں جو درج ذیل ہیں۔ معاذ عنبری نے کہا! ہمیں شعبہ نے ابو اسحاق سے حدیث سنائی، انہوں نے کہا! میں نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا! حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس صلح کا معاہدہ لکھا جو رسول ﷺ اور مشرکوں کے درمیان حدیبیہ کے دن ہوئی تھی۔ انہوں نے لکھا:

"هَذَا مَا كَاتَبَ عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ، فَقَالُوا: لَا تَكْتُبْ رَسُولُ اللَّهِ، فَلَوْ نَعْلَمُ أَنَّكَ رَسُولُ اللَّهِ لَمْ نُقَاتِلْكَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِيٍّ: امْحُهُ، فَقَالَ: مَا أَنَا بِالَّذِي أَمْحَاهُ، فَمَحَاهُ النَّبِيُّ ﷺ بِيَدِهِ، قَالَ: وَكَانَ فِيمَا اشْتَرَطُوا أَنْ يَدْخُلُوا مَكَّةَ فَيُقِيمُوا بِهَا ثَلَاثًا، وَلَا يَدْخُلُهَا بِسِلَاحٍ إِلَّا جُلُبَّانَ السِّلَاحِ، قُلْتُ لِأَبِي إِسْحَاقَ: وَمَا جُلُبَّانُ السِّلَاحِ؟ قَالَ: الْقِرَابُ وَمَا فِيهِ۔"[15]

14۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجہاد...، حدیث نمبر 2731۔

15۔ قشیری، مسلم بن الحجاج، الجامع الصحیح، کتاب الجہاد والسیر، باب صلح الحدیبیہ، مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور، س۔ن، حدیث نمبر 4629۔

"یہ (معاہدہ) ہے جس پر تحریری صلح کی اللہ کے رسول، محمد ﷺ نے۔ ان لوگوں (مشرکوں) نے کہا کہ اللہ کے رسول مت لکھیے، اس لیے کہ اگر ہم یقین جانتے کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں تو ہم آپ سے نہ لڑتے۔ رسول ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ اس لفظ کو مٹادو۔ انہوں نے عرض کی: جو اس (لفظ) کو مٹائے گا وہ میں نہیں۔ تو رسول ﷺ نے اس کو اپنے ہاتھ سے مٹادیا کہا انہوں نے جو شرطیں رکھیں ان میں یہ بھی تھا کہ (مسلمان) مکہ میں آئیں اور تین دن تک مقیم رہیں اور ہتھیار لیکر مکہ میں داخل نہ ہوں، الا یہ کہ چمڑے کے تھیلے میں ہوں (شعبہ نے کہا) میں نے ابو اسحاق سے کہا: چمڑے کے تھیلے سے کیا مراد ہے؟ انہوں نے کہا: نیام اور جو اس کے اندر ہے۔"

حضرات براء بن عازبؓ کی حدیث کے الفاظ کا ترجمہ ہے۔۔۔۔۔۔ مشرکین سے اس پر صلح ہوئی کی (اس سال آپ ﷺ واپس چلے جائیں) آئندہ سال آپ اپنے اصحاب کے ساتھ تین روزہ مکہ میں قیام کرسکیں گے اور ہتھیار میان میں ہوں گے۔[16]

ایک حدیث میں ہے کہ دونوں (فریقین) نے اس بات پر اتفاق کیا کہ دس سال تک جنگ بند رہے گی ان سالوں میں لوگ امن و آشتی سے رہیں گے۔ ایک دوسرے پر دست درازی سے باز رہیں گے۔ اس حدیث کے آخر میں یہ شرط بھی ہے کہ "اور یہ کہ جو کوئی محمد ﷺ کے عقد وعہد میں داخل ہونا چاہے تو وہ اس میں داخل ہوسکتا ہے اور جو کوئی قریش کے عقد وعہد میں داخل ہونا چاہے وہ اس میں داخل ہوسکتا ہے۔"

معاہد صلح حدیبیہ کے فوائد و نتائج اور عصر حاضر میں اس کی معنویت

حدیبیہ سے واپسی پر راستے میں سوراۃ الفتح کی آیات نازل ہوئیں۔ جن میں اللہ تعالیٰ نے صلح حدیبیہ کو "فتح مبین" قرار دیا قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا O لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًاO وَيَنْصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًاO هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لِيَزْدَادُوا إِيمَانًا مَعَ إِيمَانِهِمْ وَلِلَّهِ جُنُودُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًاO [17]

"اے نبی کریم ﷺ ہم نے تم کو کھلی فتح عطا کردی تاکہ اللہ تمہاری اگلی پچھلی ساری ہر کوتاہی سے درگزر فرمائے اور تم پر اپنی نعمت کی تکمیل کردے اور تمہیں سیدھا راستہ دکھائے اور تم کو زبردست نصرت بخشے۔ وہی ہے جس نے مومنوں کے دلوں میں سکنیت نازل فرمائی تاکہ اپنے ایمان کے ساتھ وہ ایمان اور بڑھالیں۔ زمین و آسمان کے تمام لشکر اس کے قبضہ قدرت میں ہے۔ اور وہ علیم و حکیم ہے۔"

---

[16]۔ البخاری، الجامع الصحیح، حدیث نمبر 2731تا2732۔

[17]۔ الفتح 48: 1تا4

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بشارتیں دیں کہ تم عنقریب ایک ایسے معرکے میں فتح حاصل کروگے۔ جس میں تم کو بہت سامال غنیمت ملے گا جو اس وقت تمہاری طاقت سے باہر ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ ہی نے اپنی گرفت میں لے کر محفوظ رکھا ہے۔ پھر بتایا کہ اگرچہ مشرکین مکہ کو تم آج بھی شکست دے سکتے تھے۔ لیکن ان کے درمیان ایسے مرد وزن گھرے ہوئے ہیں جو مخفی طور پر دین حق کو مان چکے ہیں۔ اگر جنگ ہو جاتی تو وہ مجبوراً تمہارے مقابلے پر آتے اور تم انہیں نہ جاننے کی وجہ سے نشانہ بناتے۔ پس اللہ تعالیٰ کی یہ خاص مہربانی ہوئی ان دونوں گروہوں کو ٹکراؤ سے روکا ورنہ اگر تصادم ہو جاتا تو سارے فوائد ونتائج ختم ہو جاتے جو نہایت آسانی سے حاصل ہو رہے تھے۔

- صلح حدیبہ سے قبل مسلمانوں کا ایک الگ اور مستقل وجود تسلیم کرنے کو تیار نہ تھے۔ لیکن صلح حدیبیہ نے فریقین کو عرب معاشرہ میں مساوی مقام دیا اور قریش نے ملت اسلامیہ کو ایک ذی اقتدار فریق کی حیثیت سے تسلیم کر لیا۔
- یہ معاہدہ مسلمانوں کی امن پسندی اور صلح جوئی کا ایک بین ثبوت تھا۔ چنانچہ ہمسایہ قبائل پر اس کا بہت اچھا اثر ہوا۔ ہجرت مدینہ سے لیکر صلح حدیبیہ تک مسلسل اور قریش بر سر بیکار تھے۔ صلح حدیبیہ نے نہ صرف قریش کی یلغار کے خطرے کو ختم کر دیا بلکہ فریقین کو عرب معاشرے میں مساوی مقام دے دیا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے بدو قبائل کو اسلام کی دعوت دی تو وہ برضا ورغبت حلقہ بگوش اسلام ہوگئے۔ کیونکہ اب قریش کا خوف وڈر نہیں تھا۔
- صلح نامہ حدیبیہ کے نتیجہ کے طور پر اسلام کی تبلیغ واشاعت میں غیر معمولی ترقی ہوئی۔ صلح سے قبل مسلمان کافروں سے الگ تھلگ رہے تھے۔ اس کے بعد دونوں میں میل ملاپ اور آمد ورفت شروع ہوئی۔ مسلمانوں کو دلائل اسلام پیش کرنے کی آزادی ملی۔ چنانچہ صلح حدیبیہ سے لیکر فتح مکہ تک دو برس کے عرصہ میں اسلام کی اس قدر اشاعت ہوئی گزشتہ انیس برس میں نہ ہوئی تھی۔
- مسلمان جس شرط کو تسلیم کر کے اپنا پلڑا جھکتا ہوا محسوس کرتے تھے اور جو بات ان کے دل میں کانٹے کی طرح کھٹکتی تھی وہ یہ تھی کی قریش کا کوئی آدمی اگر مسلمان ہو کر مدینے چلا جائے تو اسے واپس کر دیا جائے گا اور اگر کوئی مسلمان اسلام سے پھر کر مکہ ہیں آجائے تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔ مگر معاہدہ کی یہی شرط قریش کیلئے وبال جان بن گئی۔ معاہدہ کی رو سے ابو جندل اور ابو بصیر کو واپس کیا گیا تھا۔ انہوں نے ایک الگ جماعت بنالی تھی۔ یہ لوگ قریش کے جس قافلے کے متعلق بھی سن لیتے کہ وہ شام جارہا ہے تو اسے راستے ہی میں روک کر لوٹ لیتے اور قافلے والوں کو قتل کر دیتے۔ جیسا کہ حدیث مبارکہ ہے۔

"قریش نے نبی کریم ﷺ کے یہاں اللہ اور رحم کا واسطہ دیکر درخواست بھیجی کو آپ کسی کو بھیجیں (ابو بصیر اور ان کے دوسرے ساتھیوں کے یہاں وہ قریش کی ایذا سے رک جائیں) اور اس کے بعد جو شخص بھی آپ ﷺ

کے یہاں جائے گا (مکہ سے) اسے امن ہے چنانچہ آپ ﷺ نے ان کے یہاں اپنا آدمی بھیجا۔"[18]

- معاہدہ صلح میں تحریراً پہلی مرتبہ عرب میں اسلامی ریاست کا وجود باقاعدہ تسلیم کر لیا گیا۔ جبکہ اس سے پہلے تک عربوں کی نگاہ میں آنحضرت ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کی حیثیت محض قریش اور قبائل کے خلاف باغی گروہ کی تھی۔ اب خود قریش ہی نے آپ ﷺ سے معاہدہ کر کے سلطنت اسلامی کے مقبوضات پر آپ ﷺ کا اقتدار مان لیا اور قبائل عرب کیلئے یہ دروازہ بھی کھول دیا کہ ان دونوں سیاسی طاقتوں میں سے جو لوگ جس کے ساتھ چاہیں حلیفانہ معاہدات کر سکتے ہیں۔
- معاہدہ کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ کل تک جو اجارہ داری کے گھمنڈ میں حرم مکہ میں مسلمانوں کے داخلے پر پابندی تھی اب وہ پابندی ختم ہوئی اور مسلمانوں کیلئے زیارت بیت اللہ کا حق تسلیم کر لیا گیا اور قریش نے گویا یہ مان لیا کہ اسلام کوئی بے دینی نہیں ہے۔ جیسا کہ وہ اب تک کہتے چلے آ رہے تھے بلکہ عرب کے مسلمہ ادیان میں سے ایک ہے اور دوسرے عربوں کی طرح سے وہ بھی حج و عمرہ کے مناسک ادا کرنے کا حق رکھتے ہیں۔
- اس کا فائدہ یہ بھی ہوا کہ مسلمانوں نے شمال عرب اور وسط عرب کی تمام مخالفت قوتوں کو بہ آسانی مسخر کر لیا۔ اس کا اندازہ آپ اس سے لگا سکتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے بعد ابھی تین مہینے ہی گزرے تھے کہ یہودیوں کا سب سے بڑا کٹر دشمن کا علاقہ خیبر فتح ہو گیا اور اس کے بعد فدک وادی القریٰ، تیما اور تبوک کی بستیاں اسلام کے زیر نگیں آتی چلی گئیں۔ پھر وسط عرب کے وہ تمام قبیلے بھی جو یہودیوں اور قریش کے ساتھ گٹھ جوڑ رکھتے تھے ایک ایک کر کے تابع فرمان ہوتے گئے۔ اس طرح حدیبیہ کی صلح نے دو سال کے اندر عرب کی قوت کا توازن اتنا بدل دیا کہ قریش اور مشرکین کی طاقت دب کر رہ گئی اور اسلام کا غلبہ یقینی ہو گیا۔
- اس صلح کے بعد مسلمانوں کو عام غزوات کے سلسلہ میں قدم قدم پر کامرانیاں حاصل ہوئیں اور اسلام کی ہیبت ہر دل میں بیٹھ گئی درحقیقت یہ معاہدہ فتح مکہ کا دیباچہ ثابت ہوا کیونکہ قریش نے تنگ آ کر خود ہی معاہدہ توڑنے کا اعلان کر دیا اور اس طرح مسلمانوں کو مکہ پر حملہ کرنے کا عذر ہاتھ آ گیا۔

سماجی، سیاسی اور دعوتی حکمت عملی کا جائزہ

حضور ﷺ نے داخلہ کے وقت جماعت کو حکم دیا کہ خوب مونڈھے کھول کر اور سینہ تان کر چلو اور پھیل پھیل کر طواف کرو۔ تاکہ اس پروپیگنڈے کی تردید ہو جائے کہ مہاجرین کی حالت بھوک اور بخار نے پتلی کر رکھی ہے۔ اس وقت دشمنوں کو مرعوب کرنا ضروری تھا۔ حضور ﷺ نے کیا خوب فرمایا کہ "خدا کی رحمت ہو اس شخص پر جو آج کفار کے سامنے قوت کا اظہار

[18]۔ البخاری، الجامع الصحیح، حدیث نمبر 2731۔

کرے"۔ اس سے معلوم ہوا ہے کہ مخالف حلقوں میں علمبرداران اسلام کی کمزوری (خواہ جسمانی ہو) کے چرچوں کا روکنا اور ان پر قوت و شوکت کے مظاہرہ سے رعب ڈالنا اسلامی سیاست کی ایک اہم حکمت ہے۔[19]

- مدینہ کی اسلامی حکومت نے قریش کے جنگی چیلنج کا جواب جس جرات اور شجاعت سے دیا اور بھرپور طریقے سے دیا۔ اس کا مقصد یہ نہیں تھا کہ تلوار کے زور سے کچھ لوگوں کو میدان جنگ میں اسلام کا قائل کر لیا جائے۔ بلکہ جنگ جویانہ مزاحمتوں سے اپنا بچاؤ کرنے کے ساتھ ساتھ مطلوب یہ تھا کہ عامتہ الناس کے حوصلے بڑھیں۔ ان کی امیدیں مدینہ کی انقلابی قوت سے وابستہ ہوں۔ وہ نظریہ اسلامی سے ایک روشن مستقبل کے ظہور کی توقع کریں تو اس سے معلوم ہوا کہ عصر حاضر میں دعوت دین میں اخلاقیات کو مد نظر رکھنا چاہیے نہ کی لڑائی جھگڑے کو۔
- واقعہ صلح حدیبیہ سے یہ حقیقت سمجھ میں آتی ہے کہ قریش کی قیادت عوام کے راستے میں کتنی بڑی رکاوٹ تھی اور اس رکاوٹ کے ہٹتے ہی ذہنی انقلاب رونما ہو گیا۔ جہاں کہیں بھی کوئی غالب طبقہ اس طرح سے رکاوٹ بنا موجود رہتا ہے وہاں عوام میں وعظ و نصیحت کا اثر کسی بڑے پیمانے پر کبھی رونما نہیں ہو سکتا۔ اجتماعی فضا کو بدلنے کیلئے نہایت ضروری ہے کہ ایسی رکاوٹ کو ہٹایا جائے اور اس کیلئے پوری پوری سیاسی جہد وجہد کی جائے۔ اسلامی دعوت کی تکمیل سیاسی جہد و جہد کی تکمیل ہی پر منحصر ہے۔
- اس واقعہ سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ اصولی نظریوں پر قائم ہونے والی حکومتیں اپنے اندر تبلیغی روح رکھتی ہو اور ان کی ساری سرگرمیوں میں مقدم ترین مقصود یہ ہو کہ عوام کے دل اس اصول اور اعتقاد کو سمجھیں اور اخلاص سے قبول کریں جس پر نظام حیات کی اساس قائم ہے۔
- حضور ﷺ نے ام حبیبہ سے شادی کی یہ سیاست کے ایک اہم نتیجے میں کی گئی تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بھی نصب العین لے کے چلیے اور کتنا بھی اعلیٰ درجہ کا اصولی کام کیجیے، ذاتی تعلقات اور روابط کی وسعت بہر حال اس کی کامیابی پر اثر انداز ہوتی ہے۔ معمولی کاروبار سے لیکر نظریاتی انقلاب تک کے مختلف کام جو اجتماعی دائرے میں سر انجام پاتے ہیں ان میں کوئی بھی ایسا شخص مشکل سے کامیاب ہو سکتا ہے جو عام انسانی تعلقات کے لحاظ سے کوتاہ ہو۔ خلوت گزیں اور بے نیاز خلائق ہو۔ نسبی اور رحمی رابطے، ازدواجی رشتے، خود پیدا کردہ دوستیاں اور علائق، غموں اور مسرتوں کی شرکت، ملاقاتیں اور سلام وپیام ایک انسان کی قوت نفوذ کو بڑھاتے ہیں۔

19۔ نعیم صدیقی، محسن انسانیت، الفیصل ناشران وتاجران کتب اردو بازار لاہور، اشاعت جولائی 2005، ص546۔

خلاصہ بحث

معلوم ہوا کہ صلح حدیبیہ آنحضرت ﷺ کی دور بینی، معاملہ فہمی اور سیاسی بصیرت کا ایک مثالی شاہکار ہے۔ اگرچہ یہ صلح اکثر مسلمانوں کو شاق گزری تھی کیونکہ وہ بظاہر ایک مغلوبانہ صلح تھی۔ مگر تاریخ شاہد ہے کہ ہادی برحق ﷺ نے اس صلح کے ذریعے عظیم مقاصد حاصل فرمائے۔ اس صلح نامہ سے اسلام کی تبلیغ واشاعت میں نمایاں ترقی ہوئی اس دوران جس قدر لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے اتنے اس سے پہلے کبھی نہ ہوئے تھے۔ اس کے نتیجہ میں مسلم جماعت اور مشرکین مکہ اور عرب کے درمیان ہر طرح کے میل جول کے راستے کھل گئے۔ برسوں کے بچھڑے ہوئے عزیز واقارب اکٹھے ہو کر بیٹھے۔ مکہ میں حضور ﷺ اور مسلم جماعت کے بارے میں غلط فہمیاں تھیں۔ وہ مشرکین کی طرف سے سامنے آنے لگیں اور مسلمان جامع اور حقیقت پر مبنی دلائل سے ان غلط فہمیوں کو دور کرتے اور انہیں اپنی روحانی، ذہنی، علمی، اخلاقی اور مادی ترقیوں کا حال بتاتے، نتیجتاً دعوت حق اور نظریہ اسلامی گھر گھر زیر بحث آنے لگا۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر آپ ﷺ کے ہمراہ صرف چودہ سو جان نثار تھے مگر فتح مکہ کے وقت دس ہزار جم غفیر آپ ﷺ کے جلوس میں تھا۔ ایمان لانے والوں میں خالد بن ولید اور عمرو بن العاص جیسی مقتدر شخصیتیں بھی شامل ہیں۔

علاوہ ازیں غیر ملکی حکومتوں کو دعوت دینے کا موقع نکل آیا۔ اس سے قبل سارے ملک میں قریش کو فوقیت حاصل تھی اور ان کا رعب ودبدبہ مسلط تھا۔ مگر صلح نامہ نے فریقین کو عرب معاشرہ میں مساوی مقام دیا۔ ان آنحضرت ﷺ نے بدو قبائل کو اسلام کی دعوت دی تو وہ برضا ورغبت صف اسلام میں شامل ہوگئے۔ کیونکہ اب ان کے دلوں میں قریش کا خوف نہ تھا اور صلح نامہ کی رو سے قبائل کو آزادی تھی کہ وہ جس فریق سے چاہیں معاہدہ کرلیں۔ چنانچہ بہت سے قبائل مدینہ کی دولت مشترکہ میں شامل ہوگئے۔ جس سے اسلام کی قوت میں بے پناہ اضافہ ہوا۔